پاکستانی شیعہ قوم میں ڈاکٹر علی شریعتی کی آئیڈیالوجی کی ضرورت

عزاداری واجتہاد پر تنقید کی روشنی میں (ڈاکٹر سید بنیاد علی آقائی)

ایران میں انقلاب سے پہلے پہلوی ملوکیت مغربی سامراج سے مربوط تھی۔اسی دوستی کا اثر تھا کہ پاکستان میں شیعہ قوم سے امریکی مفاد کو کوئی خطرلاحق نہ تھا۔عثمانیہ خلافت کو توڑنے کیلیئے جسطرح برطانیہ نے عربی تعصب کو استعمال کر کے آل سعود کی حکمرانی کو جزیرۃ العرب میں مسلط کیا،اسی نہج پر سوویت یونین کو روکنے کیلیئے امریکہ نے برطانوی انڈیا میں دو قومی نظریے کی آڑ میں ''بفر ریاست'' کو تخلیق کرنے کی حکمت عملی اختیار کی؛ جس کے بنا سوشلزم کا طوفان قابو میں لانا محال تھا۔اس بین الاقوامی طاقتوں کے کھیل میں محمد علی جناحؒ کا کردار نادانستہ طور پر مؤثر ثابت ہوا، حالانکہ وہ ہندو مسلم اتحاد کے بڑے حمایتی رہ چکے تھے۔

انقلاب سے قبل مغربی سامراج امریکی سرپرستی میں سوویت یونین کے خلاف،اتنا محو تھا کہ شاہ ایران کی حالتِ زار کو وہ سنجیدہ نہ لے سکا۔اور جب انقلاب کا سونامی آچکا، تو آیت اللہ خمینی امریکی اور یورپی میڈیا میں ھانی بال آف کار تھیج بن گیا۔''The Times'' میگزین نے اُسے ''The Man of the Year'' قرار دیتے ہوئے ایک مضمون میں یوں متعارف کروایا کہ اسی ضدی بوڑھے نے نفرت کی آگ جلائی ہے۔حالانکہ آگ اس ضدی بوڑھے نے نہیں بلکہ اُس پرومتھیس نے روشن کی تھی، جس کو دنیا ڈاکٹر علی شریعتی کے نام سے جانتی ہے۔سوربن کی یونیورسٹی سے مغربی خداؤں کے آگ کا راز جان کر روح شیعیت میں فکر کو روشن کرنے والا یہ انقلابِ ایران کا ولٹیرؔ علی شریعتی ہی ہے۔اس باکمال ہنرمند نے ایران کی روحِ انقلاب میں نائینی اور فضل اللہ نوری، کاشانی اور ڈاکٹر مصدق کے درمیان نظریاتی کشمکش کو نہایت احسن طور پر آئیڈیالوجی میں تحلیل کر دیا۔یہ ایسی حقیقت ہے جسے امریکی پروفیسر حمید داباشی جیسا بد دماغ بھی تسلیم کرتا ہے۔سامراجی بد معاشوں کیلیئے تو حقیقی خطرہ سوشلزم تک محدود تھا۔لیکن مشرقِ وسطی کے تقدیر ساز،تاریخی اور عالمگیر میدانِ سیاست و حکمرانی میں شیعہ شعور کی نظریاتی بیداری یوں مغربی تہذیب کی اساسوں کو چلینج کر دے گی،اُن ظالمین نے کبھی یہ سوچا ہی نہ تھا۔نوآبادیاتی فضاء میں پلنے والے معذرتی مفکرین، سید امیر علی، سرسید احمد اور سر محمد اقبال کی دوستانہ تنقید،اہل مغرب کیلیئے مہذب تقلید کے علاوہ فقط خوبصورت الفاظ کے دلکش انگریزی،اردو اور فارسی ادب میں دلفریب اضافے سے زیادہ کچھ نہ تھی۔آج جب ایران میں شیعی آئیڈیالوجی نے مغربی استحصالی نظریہ تہذیب کو جمال الدین اسدآبادی کی آواز میں للکارا؛ جب شاہ کے دیوانوں میں ابو ذر دھاڑنے لگا؛ تو افریقہ اور ایشیاء کے افلاس اور استحصال سے خوشحالی میں غرق، مغرب اور اس کا بڑا بھائی امریکہ ، فکر مند ہو گئے کہ اقتصادیاتی سیاست کے شعور کی یہ شیعی آگ شریعتی کی آواز میں سارے عالمِ اسلام کو اپنی انقلابی جدوجہد کی لپیٹ میں نہ محصور کر لے۔اگر یہ آتش گیر مادہ پاکستان کی شیعی قوم میں بھڑک اُٹھا تو سارا سرمایہ دارانہ نظام سوشلزم کے ٹینکوں تلے کچل جائے گا۔اس انقلاب کی فکری نوعیت نے طاغوتی طاقتوں کو اساسی طور پر ہلا کر رکھ دیا۔کیونکہ ویت نام اور بالشیوازم کے برعکس،انقلابِ ایران میں کارفرماں الوہی و تہذیبی رُوح شیعیت، کوئی باہر سے درآمد شدہ نظریہ نہیں،بلکہ از خود فاعل، فطرتی اور محکم نقطہ نظر تھا۔

یہ وہ پس منظر تھا اُس غیر اعلانیہ طور پر تکفیری مہم کا جس کو بھٹو کے بعد، جہادِ افغانستان کے متوازی، پاکستانی قیادت کی مدد سے، شیعیت اور اہل تشیع کے خلاف ایمانِ عامہ کا حصہ بنادیا گیا۔یوں بیرونی کیساتھ ساتھ اندرونی جہاد کاریاں بھی شروع ہو گئیں۔

ہمارا اصلی موضوع اس تاریخی پسِ منظر کی روشنی میں پاکستان کے اندر شیعہ قوم کی داخلی بد بختی اور اصلاح کا مطالعہ و مقصد ہے۔ آج ہم ایسی اندرونی صورتحال میں مبتلا ہیں؛ فکر و عقیدے کے ایسے تضاد کا شکار ہیں؛ جو انفراد میں نصب العین کی وحدت کو پارہ پارہ کر کے اقوام کو ریوڑ میں بدل دینے کیلئے کافی ہوتا ہے۔ اس امر کو ''بیرونی ہاتھ'' قرار دیکر ہم بری الزمہ نہیں ہو سکتے۔ جیسے جارج اوریول کے ناول میں ہر بُرائی ''سنومین'' یا خلیل جبران کی ایک حکایت میں ''شیطان'' کے نام سے منسوب کر دی جاتی ہے؛ ہم شیعوں نے بھی ''ہمفرے'' دریافت کر لیا ہے۔ حالانکہ امور سلطنت کو جو جانتے ہیں ان کیلئے میکیاولی کا ''شہزادہ'' آسمان سے اُتری ہوئی بلا کا نام نہیں۔ جبکہ منحوس حقیقت کو ہمیں تسلیم کرنے میں نامعلوم کیوں ہچکچاہٹ ہوتی ہے کہ تضادات کا قابل اشتعال مادہ اختلاف سے تصادم تک بنیادی طور پر شیعیت کے عقائد کی تاریخ میں موجود ہے۔ چنانچہ ایک طرف تو ہمارے ہاں لکھنوی مزاج کی نسوانی شیعیت، جو اپنی عزاداری کی پہچان پر نہایت نازاں ہے، انیس اور دبیر کی شاعری، نوحے اور مرثیے، سوز و سلام میں مسرور ملتی ہے۔ جسے جوش اور فیض کی انقلابی صُورت سے تعلق نہیں بلکہ وزن اور قافیے سے مطلب ہے۔ اِس کے بر عکس ایرانی انداز کی نہایت منظم صورت میں اجتہادی شیعیت کا گروہ ہے، جو دنیاوی امور میں فیصلہ کن، اصلاحی اور سیاسی مزاج کا حامل ہے۔ ہر ایک خود کو شیعیت کی بقاء اور اصلیت کا وارث کہلواتا ہے۔ عزاداری اور ملائیت کا یہ وہی اختلاف ہے جو شہادت عالی مقام کے بعد توابین اور کسانیہ کے درمیان تحریک کے سیاسی ہونے پر تھا۔ عزاداری کیلئے رنج و الم ہی پیغام ولائیت ہے۔ جبکہ ملاؤں نے معتزلیوں سے متاثر ہو کر، جو اشعریوں کے مقابلے میں خود کو اہل التوحید والعدل کہلواتے تھے، ولائیت مطلقہ کو تکوین و تشریح میں توڑ کر ''اجتہاد'' کا مکتب بنا کر اس کا نام ''اصولی'' رکھ لیا۔ آیئے ذرا اس کشمکش پر تاریخی اور تجزیاتی روشنی ڈالیں۔

غور و فکر کی صحتمندانہ نشو و نما کیلئے یہ حقیقت ذہین نشین رکھنے کے قابل ہے کہ اسلام میں صوم و صلوۃ، توحید و نبوت یا معاد پر کوئی جھگڑا اساس نہیں رکھتا۔ یہاں تک کہ ابلیس بھی خود کو حقیقی موّحد سمجھتا تھا۔ عبادت میں کوئی اُس کا ثانی نہ تھا۔ ہمہ وقت پوجا پاٹ کا شیدائی تھا۔ قیامت تک کا منکر نہ تھا۔ خود مشرکین مکہ ابلیس کی طرح توحید یعنی ابلیسی توحید، کے قائل تھے۔ اُن کیلئے اصنام کی حیثیت اللہ کے سامنے فقط سفارشی تھی۔ اُنہیں اولادِ ابراہیمؑ ہونے پر نہایت فخر تھا۔ حضرت عبد المطلب کو اُنہوں نے ''ابراہیمؑ ثانی'' کا لقب عطاء کیا ہوا تھا۔ وہ بیت اللہ کا سالانہ حج ادا کیا کرتے تھے اور پر جوش پروانوں کیطرح کعبے کے چکر لگاتے تا کہ سُنتِ ابراہیمیؑ پر پورا اتریں۔ قبل از اسلام، انٹری سے پہلے لڑائی تنزیل پر تھی، جو انٹری کے بعد تاویل کی جنگوں میں بدل گئی۔ تاویل خود اولی الامر کی تعریف میں مرکوز تھی۔ قرآن میں ''نباء عظیم'' پر سارا فساد تاریخ اسلام میں رونما ہوا ہے۔ یہ نباء عظیم اولی الامر کی تاویل، خلیفۃ اللہ کی تعریف تھی اُمت کی راہنمائی واسطے۔ تا کہ معلوم ہو کون ہے اللہ کی حاکمیت قائم کرنے والا اُس کا خلیفہ؟ مسئلہ درپیش یہ تھا کہ ولائیت کیا اقتدارِ ظاہری تک مقید ہے یا پھر اسکی باطنی حقیقت میں تصرف صرف علم کیلئے برحق ہے؟ غیروں نے ولایہ کو حکومتِ ظاہری تک محدود جانتے ہوئے سقیفہ میں پُر آشوب اجتہاد کو غدیر میں اعلانیہ نص کی جگہ حق کا معیار، خلافت کیلئے قرار دیا۔ جبکہ شعیانِ علیؑ کی اکثریت نے بھی ولائیت کو خلافتِ ظاہری جانتے ہوئے اپنے مولاؑ کو اقتدار سے محروم، اُسکے مظلوم ہونے پر متفقہ رائے قائم کر لی۔ یوں اِن ظاہری شیعیانِ علیؑ اور شیعیان صحابہ میں فقط فرق یہ رہ جاتا ہے کہ مولا علیؑ کو اقتدار و ریاست سے کیوں محروم رکھا گیا۔ حالانکہ اصلی سوال اور مقدمہ خلافت و تشیع یہ تھا اور ہے کہ اگر خلافت ظاہری کا اخلاقی جواز علم ہے جو قرآن کی تاویل کر لے؛ تو خلافت کا باطن وہ باطنی ولایہ ہے جو ولی کو اس کے علم کی بناء پر امور میں تصرف عطاء کرتی ہے، جس کی وجہ سے وہ امر کا والی، ولی الامر کہلاتا ہے۔ عالم کی جگہ معمار قبضہ کر کے عالم نہیں ہو جاتا۔ لیکن مکتب تشیع کی وحدت کیلئے ستم ظریفی دیکھیئے کس طرح فکری فقدان، ذاتی حسد، ذہنی یرقان، مصالحتی بد دیانتی نے خلافت کی باطنی حقیقت ولایہ کو علم اور قدرت و تصرف میں تکوین اور تشریح کے

عنوانات سے کاٹ کر دو لخت کر دیا ہے۔ مطلق ولایہ کو ولایہ بلا راس بنا دیا۔ یعنی سر کٹی ولائیت ۔ سر اِدھر دھڑ اُدھر! ولائیت جیسے یونان کے جن پروکرسٹس کے ہاتھے چڑھ گئی ہو۔ یوں امورِ کائنات تو کئے اللہ کے سپرد اور تشریح کو فقہاء نے اپنا ذاتی حق بنا کر آپس میں بانٹ لیا۔ نتیجہ ایں برآمد کہ تشیع و تسنن میں نباء عظیم پر لڑائی تو ظاہری خلافت کیلئے تھی۔ جبکہ خود اہل تشیع میں لڑائی کی نوعیت ولائیت کے باطنی پہلو پر ہے۔ اس باطنی ولائیت کی نا سمجھی نے دو صورتیں اختیار کر لی ہیں: (i) عزاداری (ii) اجتہادی اجارہ داری۔ اگر ایک طرف کیمیائے ولائیت کی پُر جوش تاویل سے اگر عزاداری نے روح تشیع کو اپنی بقاء میں تجسیم فرمالیا ہے تو دوسری طرف اجتہادی اجارہ داری نے صرف و نحو کو بروئے کار لاتے ہوئے فروعاتی عناصر کے ذریعے خود کو اُصولی بنالیا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ عراق میں ہونے والی اخباریوں اور اُصولیوں کی شرمناک جنگ و جدل نے پاکستان کا زرخیز میدانِ فساد ڈھونڈ لیا ہو۔ عزاداری اور اجارہ داری کے اس تصادم میں ولایہ کا حقیقی مقدمہ، روحِ توحید، عدل کی ہماری معاشرتی زندگی میں شعوری موت وقوع پذیر ہے۔ عزادار اور مجتہد ہر کوئی مقدس عدل کو ولائیت کے نام پر اپنی اپنی قربان گاہ کیطرف ذبح کرنے کیلئے، گھسیٹ رہا ہے۔ احکام و رسوم کے اس اصلاحی فساد میں عقل گم سُم تماشائی ہے اور عدل کی امام مہدیؑ کے انتظار میں ڈور لگی ہوئی ہے۔ فکر اور بحث کو تو ظلم سے نجات اور عدل کی خوشحالی پر توجہ مرکوز کرنا تھی، لیکن بد قسمتی تمام اعلیٰ توانائیوں کو ماتم اور نوافل، ملنگ اور مولانا کی اداکاریوں میں ضائع کر رہی ہے۔ اس منحوس تجدیدِ دین کی نالائق چپقلش نے درسِ کربلا کے اُصولِ عدل کو اُسکے تہذیبی، ثقافتی، معاشرتی، اخلاقی، فطرتی، انسانی، معاشی، روحانی اور سیاسی شعور و مقصدِ وجودیت میں بے گانہ کر کے رکھ دیا ہے۔

قوم کو آج انسانی عقل کی روحانی تشفی کیلئے، عدل کا نظام اپنے داخلی وجود میں قائم کر کے، معاون ماحول کو تخلیق کرنے کی ضرورت ہے۔ شخصیاتی اجارہ داری اور رسوم پرستی کی جگہ حق و حالات کا حقیقت میں تقاضا یہ ہے کہ آزادانہ دستور سازی کو داخلی اداروں کی تشکیل میں قوم کی روح بنایا جائے۔ انسان کے وقار کی سربلندی کیلئے قوم میں تنظیم پیدا ہو تا کہ عدل کا استحکام ہمیں مادی مسائل سے نجات دے کر روحانی سعادت حاصل کرنے کیلئے فکری توانائیوں کو پرواز بخشے۔ مثال کے طور پر، ذاکرین اور علماء کو تنخواہ کے دائرے میں لایا جائے۔ قوم کا ہر فرد اندراج ہو۔ ہر ایک سے اُس کی آمدن کے مطابق چندہ وصول کیا جائے۔ تمام ادارے اس نظام معیشت میں انفرادی نہیں، کارپوریٹیو بلکہ اشتراکی بنیادوں پر فعال ہوں۔ تا کہ یہ شیعی نظام عدل قوم میں اشتراکی اداروں کی وساطت سے روٹی، کپڑا، مکان، تعلیم، صحت، روزگار، تحفظ ناموس و حیات کی فراہمی کو یقینی بنائے۔ کیا یہ مہدیؑ برحق کا منشور نہیں ہے؟ کیا یہ کربلا کا منشور نہیں ہے؟ کیا یہ علیؑ و ابوذرؓ کا منشور نہ تھا؟ کیا یہ محمد مصطفیٰ ﷺ اور موسیٰؑ کا منشور نہ تھا؟ کیا یہ بنی اسرائیل کے انبیاء کی آواز نہ تھی؟ اگر یہی الوہی اور انسانیت کا منشور ہے تو پھر تم سب کے پاس اس کے خلافِ جواب میں کونسا منشور ہے؟ یہ کسی خیالی ریاست کا خاکہ نہیں۔ سوشلزم کی تاریخ بھری ہوئی ہے ایسی مثالوں سے۔ کیا آپ نے قرامطیوں اور اسماعیلی شیعوں کی تاریخ اور سماجی حقائق کا تعصب کا چشمہ اُتار کر مطالعہ کیا ہے؟ اگر قوم کی نظر واقع ہی دور اندیش مطالعہ اور تفکر کی عادی ہوتی تو واللہ ہم لکھنوی عرفانیات اور ایرانی اُصولیات کی غیر متعلقہ اُلجھنوں میں مست نہ ہوتے۔ عقیدہ یا عقیدت ہر فرد کا ذاتی، عقلی اور قلبی معاملہ ہے۔ ہمیں معروضی طور پر صحتمندانہ، پُر سکون معاشرت کی ضرورت ہے۔ جہاں تک فکری اختلاف کا تعلق ہے تو اس سے شعوری حرکت جنم لیتی ہے جسکو صادقِ آلِ محمدؑ نے امت میں رحمت سے تشریح کیا ہے کیونکہ اس طرح جہالت میں تصادم کا اندیشہ مٹ جائے گا۔ آپ بنا اجتماعی تصادم کے حکمت، نصیحت اور احسن دلائل سے اسلام میں اس فکری حرکت میں پرامن شمولیت اختیار کر سکتے ہیں۔ ہمیں اللہ کا محافظ بننے کی ضرورت نہیں۔ اللہ ہمارا محتاج نہیں کہ ہم لوگوں کے سر پھوڑیں۔ خدا کسی کی ذاتی ملکیت نہیں۔ وہ عدل میں پہلے رحمٰن ہے بعد میں رحیم۔ حضرت علیؑ کا فرمان ہے کہ عقول کے مطابق سزا و جزا ملے گی۔ ڈیکارٹ، آئن سٹائن، سویڈن برگ کی جنت کے تصور کو منڈی

کے دلال، ریاکار شیخ، بے ایمان دودھ فروش، پر صادر نہیں کیا جاسکتا۔ سکول کا ادنی طالب علم کوپر نیکس کی ذہنی پیچیدگیوں سے کیونکر آشنا ہو سکتا ہے؟ حدیث ہے کہ اگر ابوذرؓ کو سلمانؓ کے ایمان کا پتہ چل جائے تو یا اُسے کافر کہہ دے گا یا واجب القتل۔ مقصود بحث یہ ہے کہ ہمیں ایمان اور کفر کی فسادی دلدل سے انخلاء چاہیئے۔ غالی یا مقصر ہونے سے غربت، افلاس، بیماری ڈر کر کہیں بھاگ نہیں جاتے۔ ہمارے معروضی مسائل، زندہ مشکلات کا حل قم یا لکھنوء کے اجازت ناموں میں نہیں۔ اس کیلئے رب نے بندے کو عقل دی ہے۔ یہ عقل ہی ''الوسیلہ'' ہے۔ یہ برلن، ماسکو، کیمبرج میں بھی اُسی طرح پائی جاتی ہے جس طرح جنگلوں میں بُدھ کو ملی تھی۔

اسلام اگر پوجا پاٹ اور رسومات ہی کا دین ہوتا تو اسمیں پسرانِ تہذیب و تمدن۔ الفارابی، ابن سیناء، جابر بن حیان، نصیر الدین طوسی کبھی مسلمان نہ رہ پاتے، جنہوں نے عقل کو انسانیت کیلئے دینِ فطرت کا مظہر اول قرار دیا۔ اب یہ سمجھنا ہمارے لئے سہل ہو گا اس قولِ معصومؑ کے بعد ''کارخانہِ قدرت پر غور و فکر کرنا عبادت ہے'' کہ عزاداری کوئی ماتم کر کے اپنی عادت کو تسکین دینے کا نام نہیں بلکہ عدل کے شعور کا جہالت اور ظلم کے خلاف رنجیدہ احقاق الحق اور بر ملا احتجاج ہے۔ یہ وقت کے امامؑ کی معرفت کا امر اور اس کے خلاف ظالم، جو معروف کا المنکر ہو، کی نہی کا اعلان ہے۔ عزاداری کی صُورت میں اتباع کا یہ درسِ امامت محض رُسوم اور تقلید و مذہبی اجارہ داری کے خلاف عدل کیلئے عقل کے محرک اصولِ امر و نہی کی آگہی کا شاندار وسیلہ ہے۔ اس کو رسوم اور اجتہاد و تقلید میں نظر بند مت کرو۔ یہ عزاداری اتباع کا فلسفہِ امر و نہی ہے۔ اسی رسمی عزاداری اور اجتہادی اجارہ داری کی نفی میں فکری اصلاح کیلئے امر و نہی کی نوید انقلاب کو علی شریعتی نے اسلام میں آئیڈیالوجی کے نام سے متعارف کروایا۔ ایسی آئیڈیالوجی جسمیں عقل نظامِ عدل کے قیام میں رسمی عزاداری اور اجتہادی اجارہ داری کو یکسر مسترد کرتی ہے۔ تاکہ انسانیت دینِ شہادت، اسلام میں، آزادی اور اطمینان کا سانس لے پائے۔

جوں جوں قوم کی حیات کے نصب العین میں خود آگہی، اسلام کا مقصد، روح تشیع، اُصولِ عدل، واضع تر ہوتے جائیں گے، مستقبل کی تاریخ میں معیارِ تہذیب علی شریعتی کی ہی زبان میں گویاں ہو گی! فقط علی شریعتی کی روشن فکری ہی ظلمت میں مقید شعور انسانیت کیلئے نجات کی ضامن ہے۔ یہ صریحی حق بات ہے۔ کہ ہنوز مغرب کے جدید فلسفہ و ترقی کے مقابل تمام طرح اصلاحی کوششیں، نظریات، تحریکیں، ایسا کوئی جاندار موقف پیش کرنے سے عاجز رہی ہیں، جسمیں علم و ایمان کی کشمکش کو، بنا جذباتی ہوئے، احسن طور پر تعقل حل کرنے میں کامیابی سے ہمکنار ہو سکے، سر چھپایا تو پیر ننگے، پیر ڈھکے تو سر۔ انقلاب ایران کے دوران طلوع ہونے والے اس قدر تابناک سورج کے بعد ساری موم بتیاں زبردستی جلائی جارہی ہیں۔ چنانچہ دورِ جدید میں نشاۃ ثانیہ کے شوق میں محمد عبدہ کے بعد ہارون ناششن، اقبال کے بعد مودودی، کی ناکامی کا اگر غیر جانبدارانہ مطالعہ اور تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ اُنہوں نے اپنے عقیدے یا عقیدت کو اسلامی نظریے کا رنگ دینے کی کوشش کی۔ اُن میں سے کسی کے پاس آئیڈیالوجی نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ وہ معتزلیوں اور اشعریوں کی ہی دورُخی جنگ کیا بلکہ باہمی اُلجھاؤ سے ہی باہر نہیں آسکے۔ اُن کی فکر فقط بر نامِ اسلام، اقتدار کے حصول پر اختتام پذیر ہو جاتی ہے۔

وہ محض سیاسی نظریئے کو آئیڈیالوجی آف اسلام کا نام دینا چاہتے ہیں۔ چنانچہ جب روحانیت در پیش آتی ہے۔ تو اقبال کا تصوف جرمن خودی اختیار کر لیتا ہے۔ یعنی ہر ایک Protestantism میں سیاسی اور روحانی مسائل کا حل تلاش کرنے میں کوشاں ہے۔ ان کی ساری عالمانہ گفتگو میں آپ کو کہیں ''عدل کا مقدمہ'' تاریخ، عقائد، سیاست، حدیث، تفسیر، روحانیت، سائنس، فطرت، آفاق، محبت، نفرت، معاشرت، امن، جنگ میں ڈھونڈھے

نہیں ملے گا۔ سبھی کیطرح علی شریعتی نے بھی اقبال کو بھی اُس کی ظاہری شاعری میں قابلِ ستائش جانا ہے۔ ورنہ اقبال کے مردِ مومن سے شریعتی کو کوئی سروکار نہیں۔ شریعتی تو ''نہیں''، ''لا'' کو روحِ اسلام قرار دیتا ہے۔ اُسنے اقبال کی ''خود اثباتی'' کے بر عکس ''فلسفہ شہادۃ'' کو آئیڈیالوجی قرار دیا۔ اقبال کے مردِ مومن کا ''انسانِ کامل'' کی جگہ اپنی خودی کو بلند کرتے کرتے تمام روحانی شیرازہ بکھیر جاتا ہے۔ جس سے اُس کی شخصیت میں زبردست تضاد سامنے آجاتا ہے چنانچہ ایک طرف تو اقبال رومی کو مرشد کہتا ہے؛ دوسری طرف ابنِ عربی اور حافظ شیرازی سے بیزاری اختیار کیئے ہوئے ہے۔ گنگا گئے، گنگارام، جمنا گئے، جمناداس، یہ ہے سجھ کی روحانی معراج کا حال!

جب کہ علی شریعتی کی شخصیت اپنی روشن فکری میں ٹائن بی کی اصطلاح میں ''تخلیقی'' قرار پاتی ہے۔ اسے مغربی روشن خیالی پر قیاس کرنا قطعاً انصاف نہیں۔ شریعتی کروچے، ٹائن بی، سپینگلر، ہیگل کی طرح تاریخ کی روانی میں بہہ نہیں گیا۔ بلکہ Rene Guenon, Louis، Massignon، Alexis Carrel کے جیسے اعلیٰ افکار کو اسلامی حقیقت میں تاریخی وجود عطاء کیا۔ انسانیت اور معاشرت کیلئے علی شریعتی کی آئیڈیالوجی F.Schuon Titus Burckhardt, William Chittick, Henry Corbin, Martin Lings جیسے مفکرین کے مقابلے میں ''پیغام المبین'' ہے۔ میں سینٹ آگسٹین اور کانٹ کی ارواح کو فلسفہِ تہذیب و اخلاقیات کے ضمن میں اس شہید معلم انقلاب ایران کی آئیڈیالوجی نذر کرتا ہوں۔

آج ہمیں عقیدت کی خوابیدگی اور مذہبی فنکاروں کے الجھاؤ سے علی شریعتی کے پیغامِ آئیڈیالوجی کے مطابق چھٹکارا مقصود ہے۔ قوم کو مارکس یا سارتر کی مادی، بوجھل، حیوانی خوش فہمیوں کا شکار ہونے کی ضرورت نہی۔ ہماری اپنی باقاعدہ معاشرتی، ثقافتی، مذہبی دنیا، اپنا Frame of Reference ہے۔ ہمیں ابوذرؓ کا انقلابی داعی چاہیئے۔ ابوذرؓ جو افلاس کو کفر کا مترادف قرار دیتا ہے۔ انقلاب کا یہ داعی اپنے نبیؐ کا حوالہ اسطرح پیش کرتا ہے کہ ''جب کسی گھر میں افلاس ایک دروازے سے داخل ہوتا ہے تو ایمان دوسرے دروازے کے راہ باہر نکل جاتا ہے''۔ یہ ہی آئیڈیالوجی کا پیغام فرعونی ذہنیت، ابلیسی مذہبیت کے خلاف احقاق الحق، سراپا احتجاج ہے۔ ہمیں اپنی فکری اصلاح کی ضرورت ہے۔ اصلاح کی دُرست سمت کے بغیر ہم رُسوم، اَحکام اور کلام کے چکروں میں اُلجھ کر اسی حالت میں تماشا اور تماشائی بنے رہیں گے۔ اصلاح کی درست سمت علاوہ فکری ہونے کے دوسری ہے ہی نہیں۔ باقی سب کچھ اس فکری اصلاح جو آئیڈیالوجی کا قیام، علی شریعتی کا پیغام ہے، کے اثرات ثابت ہوں گے۔ ہمارا مقدمہ علی شریعتی کی آئیڈیالوجی ہے۔ عزاداری اور اجتہاد و فقط تاثراتی بحث ہے۔ کہتے ہیں درست سوال آدھا علم ہوتا ہے۔ تو اصل سوال ہے ہی یہ کہ! آیا ہمارے پاس آئیڈیالوجی آف شہادتِ امام حسینؑ، معرفتِ امام علیؑ، روحِ اسلام، مقدمہِ عدل ہے؟؟ اس آئیڈیالوجی کا حصول ہی در حقیقت ہماری فکری اصلاح میں مقصود ہے۔

اس فکری اصلاح میں مقصود آئیڈیالوجی کیلئے ہمیں علمی تحقیق، علوم میں آزادانہ طور پر اپنے اپنے وسائل کے لحاظ سے کرنا چاہیئے۔ علم ایک کائناتی، عالمگیر حیثیت رکھتا ہے۔ اس کو بغداد، مصر، یا قم میں یرغمال نہ سمجھو۔ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اُس نے تمہیں آیات قرآن، آفاق اور انفاس میں دی ہیں۔ ہمارے نبیؐ پاک کا فرمان ہے کہ حصولِ علم واسطے چین بھی چلے جاؤ۔ معلوم ہوا علم، کنفوشیس، تاؤ اور بُدھ، کے مندروں میں بھی موجود ہوتا ہے۔ خود مولائے کائنات علیؑ کا فرمان ہے کہ علم مومن کی گمشدہ متاع ہے۔ اُسے حاصل کرو، بے شک وہ کافر کے سینے میں ہو۔ فتحِ مصر، اسکندریہ کے

کتب خانے کی بابت جب باب العلم سے مشورہ مانگا تو قرآنِ ناطق یوں مخاطب ہوئے: "ان کتابوں کو قرآن کی ضد میں مت تباہ کرو، یہ قرآن ہی کی اپنی اپنی استعداد کے مطابق تشریح کرتی ہیں۔"

خوش قسمتی سے ہماری فکری اصلاح کیلئے ڈاکٹر علی شریعتی کا پیغامِ آئیڈیالوجی اُردو تراجم کے مندرجہ ذیل عنوانات میں دستیاب ہے۔

❖ نقطہ آغاز کیا ہو؟	❖ نصب العین	❖ فلسفہ تفکر
❖ اسلام، انسان اور مغربی مکاتبِ فکر	❖ چہار زندانِ انسان	❖ اسلام فہمی کی ایک کوشش
❖ حج	❖ ہاں دوست اُنہوں نے یہی راستہ اختیار کیا	❖ سورہ روم میں ایک نیا دریچہِ فکر
❖ علی اور تنہائی	❖ علی امین وحدت	❖ علی ایک دیومالائی سچ
❖ شہسوارِ عرب کی تیغ "لا"	❖ ابوذر دوبارہ	❖ تشیع: محمدی اسلام کے آئینے میں
❖ امت اور امامت	❖ تشیع: تقاضے اور ذمہ داریاں	❖ سُرخ شیعیت
❖ حسینِ وارثِ آدم	❖ مرگِ گلرنگ	❖ ثار اللہ
❖ امام سجاد کی درسگاہ دعا	❖ ڈاکٹر الکسس کارل کی دعا	❖ فاطمہ فاطمہ ہیں
❖ انتظار مذہبِ اعتراض	❖ ہنر: نجات دھندہ کے انتظار میں	❖ مستقبل کی تاریخ پر ایک نظر
❖ صاحبِ خلقِ عظیم	❖ رسالتمابؐ کی کثرتِ ازواج کے محرکات	❖ توتم پرستی
❖ جانشینی اور شوریٰ		